جامعۂ خواتین کیوں اور کس طرح؟

از جناب نعیم صدیقی صاحب

ملتِ پاکستان، اور خصوصاً اس سرزمین کی مسلم خواتین کے لیے یہ بہت ہی خوش آئند لمحۂ فکر یہ ہے کہ موجودہ عبوری حکومت نے معاشرے کے ایک کچلے پسے مطالبے کو پورا کرنے کے لیے جامعۂ خواتین (ایک یا زائد) کے قیام کا ارادہ کر لیا ہے۔ خدا کرے کہ الحاد پسند قوتیں رخنہ اندازی کی کوششوں میں ناکام ہوں۔

یہ محض عام یونیورسٹیوں کی طرح ایک اور یونیورسٹی قائم ہو جانے کا معاملہ نہیں، بلکہ یہ اقدام سیکولر ذہنوں کی مسلط کردہ شب دیجور کی چادرِ سیاہ میں ایک ایسا شگاف ہوگا جس سے روشنی کی رُکی ہوئی شعاعوں کا تیز و تند بہاؤ ایک آبشار کی طرح شروع ہو سکتا ہے اور جب یہ تجویز جامۂ عمل پہن لے گی ——— بشرطیکہ اسے ایمانی شعور کے ساتھ وسیع مفہوم اور بھرپور شکل میں جلوہ گر کیا جائے ——— تو مسورینِ فرنگ اور مقلدینِ تہذیبِ دوں نہاد کی تعمیر کردہ کانچ کی تمام دبیز دیواریں منہدم ہونے لگیں گی جو ہمارے لیے راہِ حق میں حائل ہو گئی ہیں۔

ہمیں جو دُنیا بنا کر دی گئی ہے ——— وہ سیاست و معیشت سے لے کر تعلیم و ثقافت تک ——— سیکولر اور مادہ پرستانہ مفاد طلبی اور نفع اندوزی اور عیش مستی کی دُنیا ہے۔ تمام علوم میں، تعلیمی نصابوں میں، عام پسند لٹریچر میں، ناولوں اور افسانوں میں، شاعری اور موسیقی میں، عریاں تصویروں اور فلموں میں یہی زہر ہر طرف پھیلا ہوا ہے۔ ہمیں اس تدریج سے پچھلی دو تین صدی کے عرصے میں زہر خورانی کا شکار بنایا گیا ہے کہ اب "ہیروئن" (HEROIN) کے فریفتگان کی طرح یہ زہر ہمارے لیے نشہ و سرور کا لازمی ذریعہ بن گیا ہے۔ ہم اس راہ سے ہٹ کر سوچ نہیں سکتے، قدم آگے نہیں بڑھا سکتے، ہزارہا اعتراض اور شکوک و اوہام میں گھِر کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ جب کبھی ہم اسلام کے کسی اصول یا اس کی کسی قدر کا احیاء کرنا چاہتے ہیں، گریز کے سیکڑوں بہانے، فرار کے ہزاروں راستے دائیں طرف بھی اور بائیں طرف بھی کھل جاتے ہیں۔ ہمارے

ملک کے علاوہ بیشتر دوسرے مسلمان ممالک میں بھی انگریزی یا کسی دوسری مغربی حکومت نے سیکولر طرزِ فکر پیدا کرنے کی مہم کے ساتھ ساتھ ایسا اہتمام کیا کہ سیکولر ذہن کے طبقے کو معاشرے کی قیادت کے لیے تیار کیا تھا اور جب اس کے رخصت ہونے کا وقت آیا تو قافلۂ آزادی کی سربراہی کے لیے اس طبقے کو خود سہارا دے کے اُس نے اقتدار کے گھوڑے پر چڑھایا تاکہ اسلام کو تمدنی زندگی سے بے دخل کرنے کا جو لمبا کام وہ بڑی حد تک کر چکی تھی، اس کے بعد بھی اس کی تکمیل کے مراحل طے ہوتے رہیں، اور کم سے کم علمی، تعلیمی اور ثقافتی سامراج بدستور کام کرتے رہے۔ چنانچہ ہماری قریبی تاریخ گواہ ہے کہ مصر میں، ترکیہ میں، انڈونیشیا میں، پاکستان میں، جہاں بھی کہیں احیائے اسلام کی تحریک نے سر اٹھایا، فوراً مغربی سامراج کے سیکولرسٹ ورثا اپنی پوری شانِ مسلمانی کے ساتھ زنجیریں اور مشین گنیں، سولیاں اور پھانسیاں لے کر آگے بڑھے اور اسلام اور مسلمانوں کی سچی خدمت کرنے والوں کا بے دریغ خون بہایا۔

پاکستان میں آپ نے نہیں دیکھا کہ جب اوّل اوّل اسلامی دستور کا عوامی مطالبہ زور پہ آیا تو حکمرانوں نے معاشرے کے گراں قدر عنصر پہ غداری اور تخریب کے الزامات لگائے اور ان کے لیے زندانوں کے در کھول دیے۔ پھر جب قادیانیوں کو اقلیت قرار دینے کی مہم ۵۳ء میں شروع ہوئی تو اُسے کچلنے کے لیے گولیوں اور سنگینوں اور سلاسل اور تازیانوں کی پوری قوت استعمال کر دی گئی۔ تمام جیل بھر گئے، حکومت تہ و بالا ہو گئی، مگر قادیانیت نوازی میں فرق نہ آیا، جس کی خاطر اُمتِ محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم کے لاکھوں افراد مختلف اذیتوں اور نقصانوں کا نشانہ بنے۔ عائلی قوانین میں تحریفی عمل دورِ ایوبی میں کیا گیا۔ اس کے خلاف علما کے ردّعمل پر شدید گرفت کی گئی۔ حتیٰ کہ عید کے چاند کے مسئلے میں اختلاف رائے واقع ہونے پر چند ممتاز عالموں کو محبوس کر دیا گیا۔ یوں بھی مجموعی طور پہ دیکھیں تو پاکستان میں اسلامی مقاصد کے لیے کام کرنے والوں کی قربانیوں اور اُن کے خلاف ہونے والی کارروائیوں کی میزان ہر دوسرے عنصر سے زیادہ بنتی ہے۔

لیکن ہماری اسلامی ریاست پر سیکولرازم فرماں روا ہے۔ اور وہ بس اسلام کو اس حد تک گوارا کرتا ہے کہ اس کے نعرے لگتے رہیں، اس کے لیبل غیر اسلامی اقدامات پر چپکائے جائیں، اور جواب میں وہ داعیانِ اسلام سے چاہتا ہے کہ وہ اس کے ہر اقدام کو اسلامی ثابت کرنے والے فتوے اور مقالات لکھتے رہیں۔ اس حالت سے نکلے بغیر نہ اسلام رُو بہ عمل آ سکتا ہے، اور نہ ہم اسلام کے خلاف سیکولرازم کی کشمکش کو برقرار رکھ کر ترقی کر سکتے ہیں۔

ہم اپنی بحث کو دو حصوں میں تقسیم کرتے ہیں۔ پہلے حصّے میں "کیوں" کا جواب دیتے ہوئے مقاصد بیان کیے

جائیں گے، اور دوسرے حصے میں "کس طرح" کے جواب میں تجویز کو جامۂ عمل پہنانے کی صورت مذکور ہو گی۔

حصۂ اوّل ــــــ مقاصد

اب مسئلہ یہ ہے کہ خواتین و طالبات کی تعلیم تو پہلے ہی سے ہو رہی تھی، پھر آخر ان کے لیے علیحدہ یونیورسٹی کیوں؟ دوسرے لفظوں میں وہ مقاصد کیا ہیں جن کی بنا پر جامعۂ خواتین کی ضرورت ہے؟ اس سوال کے جواب میں مقاصد جس منطقی ترتیب سے بیان ہونے چاہییں، اُسے چھوڑ کر سب سے پہلے ہم خواتین اور طالبات کے مفاد کے لحاظ سے جامعہ خواتین کی ضرورت پر گفتگو کرتے ہیں۔

خواتین کے حق میں ایک زیادتی کا ازالہ مخلوط تعلیم کے کالجوں میں طلبہ کی اکثریت کے ساتھ طالبات کی اقلیت ایک طرح کی ثانوی حیثیت رکھتی ہے۔ طالبات بالعموم الگ گروہوں اور ٹولیوں میں رہتی ہیں۔ ان کے لیے داخلے کے وقت نشستیں علیحدہ متعین ہوتی ہیں۔ زیادہ تر کلاس روم میں بھی سیٹیں الگ ہوتی ہیں۔ ان کے کامن رُومز بھی الگ ہوتے ہیں۔ یونینز میں بھی ان کی نشستیں علیحدہ معین ہوتی ہیں۔ ان کے لیے کچھ خاص پابندیاں اور قیود ہوتی ہیں۔ طالبات کے ہوسٹلوں کا انتظام بھی سخت تر ہوتا ہے۔ ان کے لیے بعض ضوابط بھی الگ ہوتے ہیں۔ نیز منتظمین، اساتذہ اور دوسرے عملۂ دفتر کا رویّہ بھی طالبات کے ساتھ مختلف ہوتا ہے۔ بہ حیثیت مجموعی طالبات دبی دبی رہتی ہیں اور ثانوی حیثیت میں رہنے کے دباؤ کا مقابلہ محض تیز طرار جملوں اور شوخ و شنگ حرکات سے نہیں ہو سکتا۔ اندریں صورت مخلوط تعلیم کے علمبردار اور حامی جو فوائد پیش نظر رکھتے ہیں، وہ بھی پوری حاصل نہیں ہوتے، اور مخلوط تعلیم کے مخالفین جو نقصانات بتاتے ہیں، اُن کا کچھ حصہ بھی طالبات اور معاشرے کے پلّے پڑتا ہے۔

اگر سیدھی طرح خواتین کے لیے جداگانہ تعلیم گاہوں کا اصول تسلیم کر لیا جائے تو جامعات اور کلیات کے ہر دائرے میں خواتین بلا مداخلتِ غیرے بے تکلفی سے حصہ لے کر فوائد سے بہرہ مند ہو سکتی ہیں۔ طالبات اپنی کلاس میں خاتون لیکچرر سے ہر قسم کے سوالات پوچھنے اور ہر قسم کے سوالات کے جوابات دینے میں بڑی آسانی محسوس کریں گی۔ یہ تو ایک مصیبت ہے کہ ہر بات کرتے ہوئے دوسری صنف کا تصور ذہن میں آجائے کہ اس کا ردِ عمل کیا ہو گا۔

کلاس روم کے علاوہ، مختلف تقاریب میں، جلسوں میں، کھیلوں میں، لائبریری میں، کیفے ٹیریا میں ہر جگہ طالبات ہر قسم کے ذہنی تحفظات اور احتیاطوں سے ہٹ کر پوری آزادی سے اپنا پارٹ ادا کر سکیں گی۔ اصل معاملہ مجموعی

شخصیت کے نشوونما کا ہے جس کی کمی زیادہ نمبر لینے سے پوری نہیں ہو سکتی۔ مخلوط نظامِ تعلیم میں لڑکوں اور لڑکیوں، دونوں کی شخصیتوں کا نشوونما غیر متوازن ہوتا ہے۔ بالفاظِ دیگر جامعاتِ خواتین عورتوں اور لڑکیوں کو زیادہ بہتر تعلیم اور زیادہ حقیقی ترقی بہم پہنچانے کا ذریعہ ہوں گے۔ ان کی ذہنی اور جسمانی صلاحیتیں زیادہ اچھی طرح نشوونما پائیں گی اور ان کا ایمانی و اخلاقی معیار آج سے دسیوں گنا برتر ہوگا۔

خواتین کو پوری توجہ سے اس امر کا نوٹس لینا چاہیے کہ اصلاً مخلوط نظامِ تعلیم ——— بلحاظ نظریات و مقاصد، اور بلحاظِ نصابیات ——— انگریزی دور سے ہی لڑکوں کے لیے تیار کیا گیا ہے — یہ بڑی زیادتی ہے کہ خواتین کی مخصوص صلاحیتوں (جن سے مرد بہرہ مند نہیں ہیں) اور ذمہ داریوں کو نظر انداز کر کے طالبات کو اٹھا کر مردانہ نظامِ تعلیم کی گود میں پھینک دیا جائے — گویا نظامِ تعلیم کی نگاہ میں اصل چیز مرد ہیں اور ساری اہمیت اُن کی ہے۔ کسی لڑکی کو اگر تعلیم پانی ہو تو مردوں کے لیے جو انتظام کیا گیا ہے اُسی سے فائدہ اُٹھائے۔ اس کی اپنی صنف کی اتنی قدر و قیمت نہیں ہے کہ خاص اس کے لیے درسگاہوں اور اساتذہ اور نصابیات کا موزوں انتظام کیا جائے۔ عورتوں کو اگر تعلیم حاصل کرنی ہو تو انہیں صرف مردانہ معیار اور طرز کی تعلیم بہم پہنچائی جا سکتی ہے، اور اگر انہیں ترقی کرنی ہو تو وہ صرف مردانہ مشاغل اور مردانہ کاموں کے ذریعے ہو سکتی ہے، نیز انہیں مردوں کے لیے ایوانِ ثقافت میں سامانِ تفریح بننا ہوگا۔ کوئی دوسرا راستہ تعلیم و ترقی کا نہیں ہے — فی الحقیقت سامراج نے ہر دوسرے دائرہ زندگی کی طرح شعبۂ تعلیم میں بھی مردوں کو بے جا برتری دی ہے۔ مگر بس اتنا ہے کہ "مساواتِ مرد و زن[1]" کے بے معنی نعرے کا خوشنما پردہ ذہنوں پر ڈال دیا گیا ہے۔ سامراج کا

---

[1] قانونی و اخلاقی مساوات الگ چیز ہے جس کا اسلام خود اولین علمبردار اور بہترین نمونہ ہے۔ کامل مساواتِ مرد و زن کا مغالطہ انگیز نعرہ لگانے کے لیے جسمانی و عضوی (BIOLOGICAL)، اعصابی (NERVOUS) اور نفسیاتی (PSYCHOLOGICAL) فروق و امتیازات سے آنکھیں بند کر لینا لازم ہے۔ جدید علمی، عضوی، سائنسی اور نفسیاتی تحقیقات تو حقیقت کا پتہ دیتی ہے۔ لیکن مغرب کے سوشل نظام کے سیاسی علمبردار اور اُن کے حامی فلسفی اور بعض فلسفہ طراز سائنس دان نسائیت کو مغالطے کے ایک پھندے میں جکڑے ہوئے ہیں۔ مساوات کے نعرے سے ایک اور عملی نعرہ پیدا ہوتا ہے: "دوش بدوش"۔ بس اسی دوش بدوش کی پٹاری میں جدید انتشار انگیز معاشرت کے سانپ اور بچھو چھپے ہوئے ہیں۔

بنایا ہوا قفسِ تعلیم دورِ آزادی میں بھی جوں کا توں رہا اور ہمارے اپنے کارپردازوں نے بھی عورتوں کو مردوں کا تابع مہمل بنا کر علم و ترقی کی راہ پر چلایا۔

مردوں سے بڑھ کر خود خواتین کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے آپ کو برطانوی سامراج کے تاسیس کردہ مردانہ نظامِ تعلیم کے قفس سے، جس پر مخلوط تعلیم کا بورڈ لگا دیا گیا ہے، پوری قوت صرف کرکے نکالیں۔ معاملہ محض یونیورسٹی کی الگ عمارت کا نہیں کہ یہاں سے اٹھے اور وہاں جا کے بیٹھ گئے، جو علمی شعبے جس ترتیب سے یہاں کام کر رہے تھے اسی ترتیب سے وہاں ان کا استقرار کر دیا گیا۔ اصل مطلوب یہ ہے کہ خواتین و طالبات کی اپنی آزاد تعلیمی دنیا ہو جس میں وہ کلاس روم کی نصابی تعلیم سے لے کر قومی دفاع کی مشقوں تک، اور علمی مباحثوں اور ادبی مجالس سے لے کر کھیل کے میدان اور جوڈو کراٹے[1] کی تربیت تک دوسری صنف کی مداخلت سے آزاد ہوں۔

خواتین، اساتذہ اور طالبات دونوں اپنے اپنے دائروں میں پورا نقشۂ کار اپنے رجحانات کے مطابق خود طے کریں اور ہر قسم کے انتظامات کو خود چلائیں اور اپنی مشکلات پر خود قابو پائیں ——— خلاصہ یہ کہ خواتین کے لیے جداگانہ جامعات (UNIVERSITIES) اور کلیات (COLLEGES) کا قیام ان کا بہت بڑا استحقاق ہے۔

پردہ پسند خواتین کی اکثریت کی ضرورت پردے سے انحراف کرنے والی چند ہزار خواتین کو چھوڑ کر بقیہ غالب اکثریت اس معنی میں پردہ پسند ہے کہ وہ برقعہ استعمال کرے یا چادر سے کام چلائے، پورا وقت خانہ داری اور نئی نسل کی تربیت کو دے، یا مجبورانہ حالات میں گھر سے باہر کسی طرح کی محنت مزدوری کرے۔ بہرصورت وہ شرم و حیا، عصمت و پاکدامنی اور غیر محرم مردوں سے خلط ملط رکھنے اور بے تکلف ہونے میں شدید احتیاط کے اصولوں کی باغی نہیں ہے۔ وہ اسلامی معاشرت کی قدروں کو خود بھی سینے سے لگائے ہوئے ہے، اور اپنی اولاد کو بھی جدیدیت کے سیلاب میں بہہ جانے سے بچانا چاہتی ہے۔

خواتین کی اکثریت سخت مشکل سے دوچار ہے۔ ان میں سے ایک بڑی تعداد مخلوط تعلیم اور اس کے نتائج و اثرات کے پیشِ نظر خود بھی مخلوط تعلیمی اداروں میں نہیں آتی، اور اپنی اولاد کو بھی ان کے حوالے کرنے پر تیار نہیں ہوتی۔ پردہ پسند

[1] واضح رہے کہ موجودہ فاسد ماحول میں تحفظِ ناموس کے لیے ضروری ہو گیا ہے کہ خواتین خود حفاظتی تدابیر کے لیے اپنے اندر صلاحیت پیدا کریں۔

خواتین تین راستے اختیار کیے ہوئے ہیں۔

——— کچھ خواتین گھروں میں بچیوں کے لیے تعلیم کا کافی یا ناکافی انتظام کر کے یا تو اُن کو پرائیویٹ طور سے امتحانات دلواتی ہیں، یا امتحانات پاس کرانے سے بے نیاز رکھتی ہیں۔

——— کچھ خواتین جو غریب اور محب اسلام گھروں سے تعلق رکھتی ہیں، بطور خود گھروں میں تعلیم کا انتظام کرنے کے قابل نہیں ہوتیں، مگر مخلوط تعلیمی اداروں میں اولادوں کو بھجوانے کے مقابلے میں انہیں جاہل رکھنے کو ترجیح دیتی ہیں۔

——— کچھ وہ ہیں جو اپنی بچیوں کو بادلِ نخواستہ مخلوط نظامِ تعلیم کے حوالے کر دیتی ہیں مگر اس تکلیف دہ احساس میں مبتلا رہتی ہیں کہ ہم نے نئی پود کو خطرات کی زد میں دے دیا۔ اب اگر بچاؤ کا دار و مدار ہے تو خدا کی خصوصی عنایت پہ ہے۔ ایسی بچیوں میں سے کچھ تو پردے کے ساتھ تعلیم گاہوں میں جاتی ہیں، مگر چند ہی روز میں ان کی ہمت برقعہ پوشی جواب دے جاتی ہے۔ کچھ ایسی ہوتی ہیں جو ہر روز گھر سے برقع پہن کے جاتی ہیں مگر کالج یا یونیورسٹی میں داخل ہوتے ہی برقعہ اتار دیتی ہیں۔ اور پھر واپس روانہ ہوتے ہوئے پہن لیتی ہیں۔ یہ روز کا عملی تضاد ان کے ذہن و کردار کی ساخت کو تباہ کر دیتا ہے۔ ایک تعداد ایسی بھی ہوتی ہے جس میں پردے کے خلاف باقاعدہ بغاوت شروع ہو جاتی ہے۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ مخلوط تعلیم ایک ایسا چھرا ہے جس نے خواتین کی اکثریت اور اس کی اولادوں کی تعلیمی ترقی کو ذبح کر دیا ہے اور یکے بعد دیگرے بچیوں کی جو صفیں اٹھتی چلی آ رہی ہیں اُن سب کے حق میں یہ مذبوحی حرکت مسلسل جاری ہے۔

صد ہا گھروں اور لاکھوں خواتین اور بچیوں کو یہ مشکل درپیش ہے کہ مخلوط تعلیم اُن کی ترقی کے راستے میں پہاڑ بن کر حائل ہے۔ اُن کی آواز اس لیے سُنائی نہیں دیتی کہ اُن کے آگے چند ہزار با اثر، دولت مند، تعلیم یافتہ، لکھنے اور بولنے اور لیڈری کرنے والی ماڈرن خواتین تنظیمی قوت کے ساتھ کھڑی ہیں۔ ماڈرن خواتین و بیگمات کو کئی سال سے قومی لیڈروں اور سرکاری افسروں کی سرپرستی اور فنڈز کی امداد اور پروپیگنڈے کی قوتوں اور قومی ذرائعِ ابلاغ کی خدمات کی پشت پناہی حاصل ہے۔ انہوں نے اندرونِ ملک اور بیرونِ ملک ایسا اثر جما لیا ہے جیسے پورے پاکستان کی خواتین کی ترجمانی کا اجارہ انہی کے پاس ہے۔ حالانکہ یہ مغرب کے تہذیبی سامراج کی ایجنٹ بن کر پاکستانی خواتین کی اکثریت کے ایمانیات اور مطلوبات کو نمایاں ہونے سے روکتی ہیں، اور یہ محسوس کراتی ہیں کہ جو رنگ انہوں نے اختیار کر لیا ہے اس کے علاوہ پاکستان میں کوئی دوسرا انسانی رنگ موجود

ہی نہیں ہے۔ اور اگر موجود ہے تو اُس کے لیے ان کے دلوں میں احترام تو کجا، رواداری بھی باقی نہیں۔ یہ اکثریتی رنگ کو بالکل کاٹ دینا چاہتے ہیں۔

اب اگر کوئی بہتر قیادت یا حکومت مظلوم اکثریتی طبقۂ اناث کو سامنے رکھے تو ملک کی ترقی اور قوم کی بہبود کا اس سے تقاضہ یہ ہے کہ وہ خواتین و طالبات کے لیے الگ تعلیم گاہوں کا انتظام کرے[1]۔

ہمارا اندازہ یہ ہے کہ خواتین کے لیے الگ جامعات و کلیات کا ظہور ہوتے ہی بہت سی ایسی خواتین اور طالبات نئی تعلیم گاہوں کی طرف رجوع کریں گی جو مخلوط تعلیم کے نتائج و اثرات سے خائف ہیں۔ نتیجہ ظاہر ہے کہ تعلیمی ترقی کے نتیجے کے طور پر اقتصادی اور اخلاقی ترقی کی رفتار بڑھے گی۔

مخلوط تعلیم کے مفاسد سے نجات

مخلوط تعلیم کا نظام خود ہماری تہذیب کا پیدا کردہ نہیں ہے، بلکہ یہ صنعتی انقلاب کے نتیجے میں نشوونما پانے والی ملحدانہ و مادہ پرستانہ تہذیب کی اولاد ہے۔ اسے ہم آزادانہ ذہن کے ساتھ بھلا بُرا سوچ کر اور اپنے تہذیبی تشخص کی ضروریات کو سمجھ کر باہر سے خود پسند کر کے نہیں لائے، بلکہ اسے ہم پر ٹھونس دیا گیا ہے۔ یہ ہماری آئیڈیالوجی، ہمارے عقائد اور ہمارے اپنے معاشرے کے اندر سے نہیں اُگا ہے، بلکہ ایک مصیبت ہے جو باہر سے لا کر ہمیں اوڑھا دی گئی ہے۔ ہمیں صیادوں نے جبراً اس قفس میں ڈالا، اور اب ہم خوگرِ قفس ہو گئے ہیں۔

اندریں صورت، اگر پہلے کبھی ہم اس کا ناقدانہ جائزہ نہیں لے سکے تو اب لینا چاہیے اور اس کے مفاسد کو سامنے رکھ کر فیصلہ کرنا چاہیے کہ ہمارا دین اور ہمارا قومی تہذیبی وجود اور ہمارا معاشرتی مزاج اسے ساتھ لے کے چل سکتا ہے یا نہیں۔ اس کا جائزہ لینے میں آپ کو حسبِ ذیل نکات مدد دیں گے۔

---

[1] اسلامی نقطۂ نظر سے سوچیں تو الگ بات ہے، ہمارے پڑوسی بھارت نے محض قومی افادیت کے نقطۂ نظر سے اس طبقۂ خواتین کا خاص لحاظ کیا جو روایتی ہندو معاشرے کے سانچے میں ڈھلا ہوا ہے۔ ایسی کثیر التعداد خواتین مخلوط تعلیم کے دائرے میں مرد طلبہ کے ساتھ بیٹھ کر خود تعلیم پانا یا اپنی بچیوں کو پڑھانا پسند نہیں کرتیں۔ اُن کے لیے آج سے ۲۰، ۲۵ سال پہلے دو الگ یونیورسٹیاں (WOMEN UNIVERSITIES) قائم کر دی گئیں۔ ان میں سے ایک ایس، ڈی، این، ڈی، ٹی ویمن یونیورسٹی ٹھاکرسی ہے جس کے ساتھ ۱۹۵۵ء میں چار کالجوں کا الحاق کیا گیا تھا۔ (بحوالہ پمفلٹ مخلوط تعلیم از احمانس) علاوہ ازیں امریکہ تک میں عورتوں کے لیے الگ یونیورسٹیاں موجود ہیں۔

۱۔ صنعتی انقلاب اٹھا تو اس نے نہایت ہی دیرینہ اور مضبوط و مستحکم مذہبی، اخلاقی اور معاشرتی اقدار کو ہلا کر رکھ دیا۔ تہذیبی ٹوٹ پھوٹ کے اس مرحلے میں کوئی ایسی قوت موجود نہ تھی جو نوخیز خرابیوں کی اصلاح کر کے صنعتی انقلاب کو صحیح رُخ پر ڈال دیتی۔ سیاسیات، اقتصادیات، فلسفہ، مذہب، اخلاق اور نظام معاشرت' ہر چیز تہ و بالا ہو گئی۔ اسی انقلاب کا ایک حلیہ مخلوط معاشرت ہے، کیونکہ نئی مشینی قوت نے دیہاتیوں کو گاؤں گاؤں سے نکالا اور مردوں کے ساتھ عورتوں کو بھی گھروں سے کارگاہوں میں مزدوری کرنے کے لیے منتقل کر دیا۔ یوں مخلوط معاشرت کی بنیاد پڑی، اور اس کے نتیجے میں صنفین کے جداگانہ تعلیمی انتظامات ختم ہو کر مخلوط تعلیم کا سلسلہ فروغ پانے لگا۔

آیئے ذرا آپ مخلوط تعلیم کی تاریخ پر نگاہ ڈال لیں[1]۔

——— چین کے کسی گذشتہ دَور میں مخلوط تعلیم کا سُراغ نہیں ملتا[2]۔

——— مغرب کے دَورِ جدید کے ابتدائی حصے تک (۱۴ ویں صدی کے آغاز سے ۱۸ ویں صدی کے اوائل تک) مخلوط تعلیم کا کوئی باقاعدہ وجود نہیں تھا۔ مستقل نظام کی حیثیت سے اس کی ابتداء ۱۸ ویں صدی کے اواخر میں ہوئی[3]۔

——— مخلوط تعلیم کو اختیار کرنے میں امریکہ سب سے آگے رہا۔ مروجہ اصطلاح (CO-EDUCATION) نے امریکی لغت کے بطن سے جنم لیا ہے جو اوّلاً ۱۷۷۴ء میں استعمال ہوئی[4]۔

امریکی معاشرہ جن عناصر سے ترکیب یافتہ تھا، ان میں ایک تو مذہبی نزاعات سے تنگ آکر وطن چھوڑنے والے لوگ تھے، دوسرے مفرور مجرم، تیسرے ہوسِ دولت کی رَو میں نئی دنیا کی طرف لپکنے والے عناصر۔ ان کی عمریں ۵ سے ۴۰ سال تک تھیں۔ یہ لوگ اپنے اپنے معاشرے اور خاندانوں کی روایات اور مذہبی اخلاقی پابندیوں سے آزاد تھے۔ ان میں غالباً عورتوں کی تعداد کم تھی اور "گرسنہ مردوں" کی تعداد زیادہ۔ ایسے

---

[1] قلّتِ وقت کی وجہ سے بطورِ خود از سرِ نو تحقیق و مطالعہ کا لمبا کام کرنے کے بجائے میں نے بعض مزدوروں کے لیے پہلے سے موجود کام پر انحصار کیا ہے۔ اور بیشتر اقتباسات یا اعداد و شمار مستعار لے لیے ہیں۔ بہ طورِ خاص برادرِ عزیز احمد انس کے پمفلٹ "مخلوط تعلیم" مطبوعہ ادارہ مطبوعات طلبہ، ا۔ ۱۵ سے ذیلدار پارک اچھرہ لاہور ہی سے۔

[2،3] مخلوط تعلیم۔ ص ۱۸ تا ۲۰ [4] مخلوط تعلیم ص ۲۲

بے تکے معاشرے میں جہاں منشیات، زناکاری (اور حرام اولادیں) قمار بازی، لوٹ مار کے جرائم پروان چڑھے (اور ان جرائم کے اثرات آج بھی نمایاں ہیں) وہاں مخلوط معاشرت اور مخلوط تعلیم کا تجربہ بھی زور شور سے شروع ہوا[1]۔

—— انگلستان میں ۱۸۷۰ء اور ۱۹۰۲ء کے قوانین میں مخلوط تعلیم کا راستہ کھولا گیا۔ مگر اس موضوع پر انسائیکلو پیڈیا آف سوشل سائنسز کے مقالہ نگار کا کہنا ہے کہ شرفاء اور معززین نے اپنے بچے ان اسکولوں میں بھیجنے پسند نہ کیے۔ چنانچہ ۱۹۳۰ء میں ۱۳۹۱ مدارس میں سے صرف ۳۹۴ مخلوط تھے[2]۔

—— فرانس میں مخلوط تعلیم کی اجازت صرف اسی صورت میں دی گئی کہ لڑکیوں کی تعداد ۵۰ سے کم اور لڑکوں کی ۱۰۰ سے زیادہ نہ ہو۔ ورنہ الگ سکول کھولنا لازمی ہوگا۔ ایک ماہر تعلیم میئر (MEYER) اپنی کتاب "بیسویں صدی میں تعلیم کا ارتقاء" میں لکھتا ہے کہ مخلوط تعلیم کو فرانس میں بالعموم پسند نہیں کیا جاتا[3]۔

—— ۱۸۸۲ء میں جب فرانس میں لازمی تعلیم کا آغاز ہوا تو قاعدہ یہ مقرر ہوا کہ پانچ سو کی آبادی میں لڑکیوں کا ایک علیحدہ سکول لازماً قائم کیا جائے گا، نیز تیرہ سال کی عمر کے بعد مخلوط تعلیم نہیں ہوگی بلکہ علیحدہ علیحدہ انتظامات کیے جائیں گے[4]۔

—— جنوبی امریکہ میں جو لوگ چرچ اور کانونٹ کے اسکولوں میں بچوں کو تعلیم دلا سکتے تھے، وہ مخلوط تعلیم کے اسکولوں میں داخلے نہیں دلواتے تھے[5]۔

—— روس میں انقلاب کے بعد ۲۰ سال تک مکمل مخلوط تعلیم کا تجربہ کیا گیا۔ پھر جب عملاً خوفناک نتائج سامنے آئے تو اسے ترک کر دیا گیا۔ نیا طرز فکر یہ تھا کہ "مخلوط تعلیم لڑکوں اور لڑکیوں کے جسمانی نشوونما اور مستقبل کی عملی زندگی کے لیے دونوں جنسوں کی تربیت میں فرق و اختلاف کا لحاظ نہیں رکھتی، اور نہ عملی اور فوجی سرگرمیوں میں دونوں کی الگ الگ ضروریات کا اہتمام کر سکتی ہے۔ نیز طالب علموں میں مطلوبہ نظم و ضبط کی ضمانت بھی نہیں دیتی[6]۔"

اس مطالعہ تاریخ کی روشنی میں ہم یہ سمجھتے ہیں کہ آزاد صنعت مندمغرب میں پروان چڑھنے والے کسی مذہبی عقیدے یا فلسفیانہ نظریے پر مخلوط تعلیم کی بنیاد نہیں ہے۔ بلکہ صنعتی انقلاب کے مہیا کردہ ہنگامی اور غیر معتدل بلکہ فاسد احوال نے اس غیر فطری نظام تعلیم کو پروان چڑھایا اور معاشروں کی حقیقی پسند کے خلاف تدریجاً ان پر مسلط کیا ہے۔

---

[1]، [2]، [3]، [4]، [5]، [6] مخلوط تعلیم از احمد انس ص ۲۲ تا ۲۸ -

مخلوط تعلیم کے جواز اور افادیت کے نظریے اور فلسفے ساتھ کے ساتھ آہستہ آہستہ نشوونما پاتے چلے گئے۔

ہم مسلمانوں کا نظامِ معاشرت اور تصورِ نسائیت تو دوسری اقوام سے زیادہ بلند اور بہتر ہے۔ لیکن یہ حقیقت بہت سبق آموز ہے کہ بہ حیثیت مجموعی انسانیت مخلوط تعلیم کو پہلے سے ناپسند کرتی تھی۔

(۲) مخلوط تعلیم کا لازمی نتیجہ جنسی غلاظت ہے[عه ۱]۔

چند سال قبل کے حقائق پیش خدمت ہیں۔ یہ ایک رپورٹ سے ماخوذ ہیں جو امریکہ کے مخلوط تعلیمی اداروں کی اخلاقی حالت کا جائزہ لینے کے لیے لکھی گئی تھی۔

—— ڈاکٹر ہوبرٹ ہیکوز کا اندازہ ہے کہ "مخلوط کالجوں میں، لڑکوں کے کالج کے قریب واقع لڑکیوں کے علیحدہ کالج میں ۸۰٪ لڑکیاں تعلیم حاصل کرنے سے قبل جنسی تجربات سے گزر چکی ہوتی ہیں"۔

—— ونسٹنٹائن کا اندازہ ہے کہ شادی سے پہلے جنسی تعلقات قائم کرنے والی لڑکیوں میں کالج کی طالبات کا تناسب ایسی طالبات کے مقابلے میں کہیں زیادہ ہے جنہوں نے کالج میں تعلیم حاصل نہیں کی۔

—— ورجینیا کے ایک چھوٹے سکول کی فارغ التحصیل طالبات کے اپنے بیانات سے پتہ چلا کہ ۷۵ سے ۸۵ فی صد تک لڑکیاں جنسی تعلقات قائم کر چکی ہوتی ہیں۔

—— مشی گن یونیورسٹی کے طلبہ کا اپنا اندازہ ہے کہ گریجوایٹ ہونے تک بمشکل ۲۰٪ اور بعض کی رائے میں ۳۰٪ لڑکیاں جنسی تعلقات سے بچ کر نکلتی ہیں۔

—— اسکولوں اور کالجوں کی تعلیم یافتہ لڑکیوں میں سے ہر ۶ کے اندر ایک شادی سے پہلے ہی حاملہ ہو چکی ہوتی ہے۔

—— سراکو یونیورسٹی کی ۶ ہزار طالبات میں اوسطاً ۴۰۰ سالانہ حاملہ ہوتی ہیں (حالانکہ اس افتاد سے بچاؤ کے لیے سائنس اور طب نے طرح طرح کے مانع حمل ذرائع بہم پہنچا رکھے ہیں)۔

—— قبل شادی جنسی تعلقات قائم کرنے والی طالبات میں سے ۲۰ سال کی عمر تک ۱۳٪ پوری طرح باسور ہوتی ہیں۔

—— کوئینز کالج کی ایک طالبہ نے بطور فخر خود یہ کہا کہ میں نے حال ہی میں اپنے خاتمۂ عصمت کی

عه ۱ — آگے کی معلومات کے لیے ملاحظہ ہو مخلوط تعلیم ص ۲۷ تا ۴۹ -

سالگرہ مناتی ہے۔

ذاتی مطالعہ و علم کی بنا پر میں ایک برطانوی درس گاہ کا ایک واقعہ بیان کرنا چاہتا ہوں۔ ایک پاکستانی مسلمان لڑکی کی شلوار کے پائنچے اٹھا کر ہم جماعت لڑکے نے کہا کہ ارے تمہاری ٹانگیں تو بہت خوبصورت ہیں، تم انہیں چھپا کے کیوں رکھتی ہو اور اسکرٹ کیوں نہیں پہنتیں۔

مغرب سے آنے والے معلوماتی انگریزی جرائد میں شائع ہونے والے دو مزید واقعات بھی قابل ذکر ہیں:

اسکول کی سطح کی ایک استانی کو یہ تجربہ پیش آیا کہ کم عمر لڑکے نے اچانک اس کا اسکرٹ اٹھا کر باطن کا جائزہ لیا۔ بچاری استانی پر جو گذری سو گذری وہ موجودہ قواعد کی رو سے بچے کو جھڑک بھی نہیں سکتی، کیونکہ اسکولوں میں جنسی موضوع پر ہر بات پوچھنے اور جاننے کی اور ظاہر کرنے کی آزادی ہے اور طلبہ کو ڈانٹنے ڈپٹنے کی ممانعت! تاہم اس نے لڑکے سے پوچھا کہ یہ کیا حرکت تھی۔ لڑکے نے عام سے انداز میں جواب دیا کہ بس یوں ہی، میں دیکھنا چاہتا تھا کہ اندر کیا ہے۔

اسی سلسلے کا دوسرا واقعہ یہ ہے کہ کلاس کی کوئی بالغ لڑکی شب گناہ گزار کر کلاس میں آئی تو چہ مگوئیاں ہو رہی تھیں۔ لیڈی کلاس ٹیچر نے اس سے پوچھا کہ کیا قصہ ہے۔ طالبہ نے مزے لے لے کر ساری داستان سنا دی۔ اس پر استانی صاحبہ کہتی ہیں کہ بھئی کچھ ہمارا خیال بھی رکھا کرو۔ ہمارے لیے بھی مواقع پیدا کرو۔ سارا کچھ تنہا نوش نہ کیا کرو۔

یہ ہیں مخلوط تعلیم کے برگ و بار!

(۳) ہمارے ہاں جب مندرجہ بالا طرز کے واقعات کا ذکر آتا ہے تو لوگ تردید کے لیے یہ جواب دیتے ہیں کہ وہ تو مغرب والوں کی باتیں ہیں، ہم تو مشرقی ہیں، پاکستانی ہیں، مسلمان ہیں، ایسی چیزیں ہمارے ہاں کاہے کو ہونے لگیں۔

مصیبت یہ ہے کہ معاشرت اور اخلاق کے بگاڑ کے جو قوانین تاریخ میں بار بار اپنا یکساں عمل کرتے رہے ہیں، لوگ اول تو ان پر غور ہی نہیں کرتے اور غور کرتے ہیں تو یہ فرض کر لیتے ہیں کہ ان قوانین کے تحت دوسروں کے ہاں جو نتائج بد نکلتے رہے ہیں، وہ ہمارے یہاں نہیں نکل سکتے۔

سیدھی سی بات یہ ہے کہ اگر آپ مخلوط تعلیم کے دروازے سے داخل ہو کر مخلوط معاشرت کی راہ میں

گامزن ہوں تو چاہے آپ کتنے ہی محتاط ہو کر چلیں اور چاہے آپ کی رفتار کتنی ہی سست ہو، سنگ ومیل اور مراحل ومناظر تو وہی پیش آئیں گے جو اس راستے پر آنے چاہییں۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ آپ چلیں تو مخلوط تعلیم ومعاشرت کی راہ پر، اور نتائج ملیں پردہ دارانہ نظام کے۔ چاہیے یہ کہ مغرب کے تکمیل کو پہنچے ہوئے تجربہ کے جملہ نتائج کو سامنے رکھ کر اندازہ کرلیں کہ آپ نے اگر اسی تجربے کا آغاز کیا ہے تو تدریجاً آپ کو پہنچنا وہیں ہے جہاں اہل مغرب پہنچے ہیں۔

یہاں ابھی چونکہ ابتداء ہے، تجربہ محدود ہے (اور کچھ مزاحمتی قوتیں برسر عمل ہیں) لہٰذا یہاں مخلوط تعلیم کے ثمرات پوری طرح جھولیوں میں پڑے نہیں، مگر کچھ نہ کچھ واقعات واحوال ایسے ہیں جو آگے کے نتائج کی نشان دہی کر رہے ہیں۔ مثلاً ابھی ابھی ماضی قریب میں لاہور کی ایک شہرت یافتہ درسگاہ کی متعدد طالبات ایک خوفناک اسکینڈل سے دوچار ہوئیں۔ یا مثلاً آصف حسین کی کتاب (THE EDUCATED PAKISTANI GIRL) میں ایک لڑکی کا مصنف سے بیان کردہ واقعہ یوں درج ہے کہ "ایک پارٹی کے موقع پر اس نے سامنے کے کمرے کا دروازہ کھولا تو اندر ایک جوڑا محبت کرنے میں مشغول تھا"۔ وضاحت کی گئی ہے کہ "یہ افلاطونی محبت نہ تھی"۔ ایسے واقعات بھی ہیں کہ مخلوط تعلیم گاہوں کے پروفیسروں نے اپنی نوجوان شاگردوں سے دل ونگاہ کا رشتہ استوار کیا اور بالآخر نوبت شادی تک پہنچی۔ اس امر کا بھی جائزہ لینے کی ضرورت ہے کہ نائٹ کلبوں، شراب خانوں، مخلوط ثقافتی تقریبوں اور رقص کی مجلسوں کا نشوونما ہمارے یہاں مخلوط تعلیم کے پھیلاؤ کے ساتھ ساتھ متوازی طور سے ہوا ہے یا نہیں؟ اور ان دائروں میں آنے والی ایسی خواتین یا لڑکیوں کی تعداد کیا ہے جن کو نسائیت کو مخلوط تعلیم یا مخلوط معاشرت کے آتشیں محلول میں بجھا دیا گیا ہے۔

اس طرح کے سامنے آنے والے اور پس پردہ مخفی احوال وواقعات کو درکنار رکھ کر بھی دیکھیں تو مخلوط تعلیم کے بڑے خطرناک مضمرات نمودار ہو رہے ہیں۔

ایک یہ کہ دو صنفوں کے بہم ہونے کا لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ دونوں طرف بناؤ سنگھار کا اہتمام بڑھ جاتا ہے۔ خاص طور سے لڑکیاں فیشن، ملبوسات اور سنگار کے سامانوں پر بہت خرچ کرتی ہیں۔ جنسی جذبہ مجبور کرتا ہے کہ دونوں صنفیں اپنے اندر کشش (CHARM) پیدا کریں۔ اس مسابقت میں غریب گھروں کی بچیاں شکست کھا جاتی ہیں اور یا تو وہ غلط ذرائع سے اپنے آپ کو دوسروں کے برابر لانے کی کوشش کرتی ہیں یا احساس کمتری کے بوجھ تلے دب کر تعلیمی ترقی سے محروم ہو جاتی ہیں۔

مخلوط درس گاہوں میں معاشقوں کے تجربے بھی ہوتے ہیں۔ ان میں سے کچھ کامیاب بھی ہو جاتے ہیں ــــــ زیادہ تر غلط شکل میں۔ اسی کے سامنے سانحہ یہ حقیقت بھی اپنی جگہ ناقابلِ انکار ہے کہ لڑکیوں اور لڑکوں دونوں کی نگاہ میں تعلیم گاہ کی مخلوط سوسائٹی منگیتر حاصل کرنے کے لیے ایک اچھی شکار گاہ ہوتی ہے۔ دونوں صنفوں کے افراد شکار کی تلاش میں رہتے ہیں ہیں، اور کبھی کوئی پسندیدہ چیز نشانے پہ آ جائے تو تیر چلا دیتے ہیں۔ اس اہم مقصد کے لیے لڑکیاں لباس اوقات اپنا بہت کچھ داؤں میں لگا دیتی ہیں اور بارہا کوئی نہ کوئی شکاری بظاہر ان کا شکار بن کر خزانۂ عصمت لوٹ کر اپنی راہ لیتا ہے۔ اس قسم کے اشتعال انگیز ماحول سے نکلنے والے لڑکے اور لڑکیاں اپنے گھروں اور خاندانوں اور محلوں میں طرح طرح کے پرابلم پیدا کر دیتے ہیں۔ خصوصاً انگریزی لٹریچر (اور اس کا چربہ پیدا کرنے والے اُردو لٹریچر) کو پڑھنے کی وجہ سے بڑا رومانٹک اور زندگی اور ماحول کے حقائق سے ماورا قسم کا ایک نظریۂ حسن، ایک تصورِ عشق اور ایک معیارِ ازدواج ان کے ذہنوں میں گھر کر لیتا ہے۔ عام قسم کے ناولوں اور ڈائجسٹوں کو پڑھنے کی وجہ سے وہ بعض فلمی اور ادبی سلوگنوں اور خاص خاص جملوں کو اپنا سرمایۂ ایمانیات بنا لیتے ہیں۔ لغتِ محبت کے خاص الفاظ اور اصطلاحات ان کے تخیلات میں نگینوں کی طرح جڑ جاتے ہیں۔ حساسیت حد سے بڑھ جاتی ہے۔ جس کی وجہ سے دوسروں کے ساتھ افہام و تفہیم کرنے اور ٹھنڈے تدبر سے مسائل حل کرنے کی صلاحیت ختم ہو جاتی ہے۔ نتیجہ یہ کہ گھر گھر کے نظام وحدت کے بخیے اُدھڑنے لگتے ہیں۔ بات اگر حسبِ منشا نہ بنے تو پھر واحد راستہ خودکشی کا ہے۔ مخلوط تعلیم کے میکدے کے جرعہ نوش طالب علم ہوں یا طالبات، ایسے ایسے غلط رومانوی اقدام کر گزرتے ہیں کہ والدین بھائی بہنوں اور خاندان بھر کے لیے مصیبت پیدا ہو جاتی ہے۔ لڑکیاں گھروں سے نکل کر گھومنے اور نام نہاد ترقی پسند سوسائٹی میں گھلنے ملنے کی عادی ہو جاتی ہیں۔ وہ یا تو کسی حادثے کا شکار ہوتی ہیں یا رندی و ہوسناکی کے ان اڈوں کی رونق بن جاتی ہیں جو مغرب کے تہذیبی سامراج کی طرف سے ہمارے معاشرے کو تحفے میں ملے ہیں۔ اسی طرح جو نوجوان آوارہ نگاہی کے روگ میں مبتلا ہو جاتے ہیں، وہ خاندان اور محلے کی لڑکیوں کے لیے آسیب بن جاتے ہیں۔

مخلوط تعلیم (اور مخلوط معاشرت) کے دُور دُور تک پھیلے ہوئے بے شمار متفرق اثرات کو ہم یکجا سمیٹ کر دیکھ نہیں سکتے۔ کوئی واقعہ ہوتا ہے تو اُسے مجرد ایک یونٹ کی حیثیت سے لیتے ہیں کہ یہ تو بس ایک اتفاقی حادثہ تھا جو ہو گیا۔

مخلوط تعلیم کے اداروں میں روزانہ چند گھنٹوں تک دونوں صنفوں کے گروہوں کا خلط ملط رہنا ایک غیر مختتم اعصابی تناؤ (TENSION) کا باعث بنتا ہے، اور اس طرح کا مسلسل اختماعانداز ہونے والا اعصابی تناؤ ذہنی، جسمانی، نفسیاتی اور اخلاقی لحاظ سے بہت مضر اثرات رکھتا ہے۔ ان اثرات کا الگ الگ تجزیہ کر کے ماپنا تو ممکن نہیں، البتہ مخلوط تعلیم سے گذری ہوئی نئی نسلوں کے مجموعی کردار کا اندازہ کیا جاسکتا ہے اور یہ اندازہ کسی طرح بھی اُمید افزا نہیں ہے۔

ہمارے مغرب زدہ اور ترقی پسند خاندان جو اپنی اولادوں کو مخلوط تعلیم کے اسٹیج پر پہنچا کر ایک فاسد ماحول پیدا کرنے میں ممد ہو رہے ہیں، ان کو کیا پروا معاشرے کے غریب گھرانوں کی جن کی شرافت کیش اور پردہ پسند بیویوں اور بیٹیوں کے لیے ہر طرف ایک سیال آگ پھیلتی جارہی ہے۔ ان کا گھروں سے مجبوری باہر نکلنا تو درکنار رہا، خود گھروں کے اندر حفظِ ناموس سنگین آزمائش بن گیا ہے۔

بھارتی ماہرینِ تعلیم کا نقطۂ نظر

مناسب ہوگا کہ یہاں ہم بھارتی ماہرینِ تعلیم کے نقطۂ نظر سے بھی خواتین پر مخلوط تعلیم اور مردانہ تعلیم کے اثرات کا جائزہ لیں۔

—— ہندوستان کے یونیورسٹی ایجوکیشن کمیشن نے رادھا کرشن کی صدارت میں جو رپورٹ[1] مرتب کی تھی اُس میں سے دو ایک حوالے ملاحظہ ہوں۔

—— "عورتوں کی موجودہ تعلیم ان کی اصل زندگی سے سرے سے کوئی تعلق نہیں رکھتی۔ یہ صرف ضیاع کی صورت ہی نہیں بلکہ ضرر رساں بھی ہے اور نااہلیت پیدا کرنے کا باعث بھی۔"

—— "عورتوں کی تعلیم کا موجودہ نظام جو درحقیقت مردوں کی ضروریات کے لحاظ سے تشکیل دیا گیا ہے خواتین میں روزمرہ زندگی کے عملی مسائل سے عہدہ برآ ہونے کی قابلیت و صلاحیت پیدا نہیں کرتا۔"

—— "نرسنگ اور ہوم اکنامکس کی تعلیم کو وہ ہتک سمجھتی ہیں۔ اور سائنس کے عہدوں میں مقابلہ کی خواہاں ہوتی ہیں۔"

---

[1] مخلوط تعلیم۔ احد انس ص ۳۴ تا ص ۴۱۔

—— " ایک ماہر تعلیم خاتون کی رائے تھی کہ انگلستان اور جاپان کے مخلوط اداروں کے تفصیلی مطالعہ کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچی ہوں کہ ان اداروں میں نہ مناسب توجہ دی جاتی ہے اور نہ خواتین کے لیے سرگرمیوں کا دائرہ وسیع ہوتا ہے "۔

گویا ہمارے پڑوس کی سیکولر اسٹیٹ نے بغیر کسی مذہبی بنیاد کے خالص دنیاوی نقطۂ نظر سے مروجہ نظام تعلیم کو خواتین کے حق میں مضر پایا ہے۔

—— ایک اور حوالہ مغربی لٹریچر سے اخذ کردہ بھی ملاحظہ ہو۔

انسائیکلوپیڈیا آف سوشل سائنسز کے مقالہ نگار نے لکھا ہے کہ " یونیورسٹیوں میں کلیات کے شعبہ ہائے علوم کے چیئرمینوں کو ایک مستقل قضیہ درپیش ہے کہ طلبہ و طالبات ایک دوسرے میں اتنی دلچسپی لیتے ہیں کہ پڑھائی پر توجہ نہیں دے سکتے[1] "

یہ ہے کیس مخلوط تعلیم کے خلاف جسے ہم نے چار نکات میں بیان کیا ہے۔ اب ذرا عقل انداز سے سوچیے کہ یہ ساری اقوام کے لیے اور خصوصاً ہم مسلمانوں کے لیے کتنا ضرر رساں ہے۔ اس کے باوجود اگر نام نہاد ماڈرن طبقہ کے لوگ اپنا ووٹ مخلوط تعلیم کے حق میں ہی دیں تو سوائے اس کے کیا کہا جاسکتا ہے کہ یا تو وہ مغربی نظریات اور اداروں کے حق میں اندھا تعصب رکھتے ہیں یا وہ ان سے شدید حد تک سحر زدہ ہیں۔

(باقی)

---

[1] پردہ۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی - ص ۱۰۱